بلوچی افسانے کی مختصر تاریخ

A Brief History of Balochi Fiction

ڈاکٹر عبد الرؤف راز[i]

Abstract:

This research delves into the global prominence of the short story as a prevalent form of fiction, establishing its widespread popularity across diverse cultures. Specifically, the study focuses on its significance within the realm of Balochi literature, undertaking a comprehensive examination of the historical roots and evolutionary trajectory of the Balochi short story. The investigation extends to a thematic analysis, shedding light on the diverse topics explored within Balochi short stories and the standards employed in their creation. Moreover, the research scrutinizes the pivotal role played by monthly magazines in fostering progress within the Balochi short story genre. These periodicals are examined as dynamic platforms that contribute to the development and dissemination of Balochi short stories, thereby influencing the evolution and enrichment of the genre. By exploring the historical context, evolution, thematic nuances, and the influence of magazines, this paper provides a holistic understanding of the Balochi short story, offering valuable insights into its cultural significance and literary standing.

Keywords: *Balochi Language, History of Balochi Fiction, Balochi Short Story, Magazines, Literature, Baluchistan.*

یہ تحقیق افسانے کی ایک مروجہ شکل کے طور پر مختصر کہانی کی عالمی اہمیت کا پتہ دیتی ہے ، جس سے متنوع ثقافتوں میں اس کی وسیع مقبولیت قائم ہوتی ہے۔ خاص طور پر یہ مطالعہ بلوچی ادب کے دائرے میں اس کی اہمیت پر توجہ مرکوز کرتا ہے ، جس میں بلوچی افسانہ کی تاریخی جڑوں اور ارتقائی رفتار کا ایک جامع جائزہ لیا گیا ہے۔ تحقیقات کا دائرہ موضوعاتی تجزیہ تک پھیلا ہوا ہے ، جس میں بلوچی افسانے میں متنوع موضوعات اور ان کی تخلیق میں استعمال کیے گئے معیارات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید برآں ، یہ آرٹیکل بلوچی افسانے کی صنف میں پیشرفت کو فروغ دینے میں ماہانہ میگزینوں کے ذریعے ادا کیے گئے اہم کردار کو واضح کرتا ہے۔ ان میگزینوں کو متحرک پلیٹ فارم کے طور پر جانا جاتا ہے جو بلوچی افسانے کی ترقی اور پھیلاؤ میں حصہ ڈالتے ہیں ، اس طرح اس صنف کے ارتقا اور افزودگی کو متاثر کرتے ہیں۔ تاریخی سیاق و سباق ، ارتقاء ، موضوعاتی باریکیوں اور رسائل کے اثر و رسوخ کو تلاش کرتے ہوئے ، یہ مقالہ بلوچی افسانے کی مکمل تفہیم فراہم کرتا ہے اور اس کی ثقافتی اہمیت اور ادبی حیثیت کے بارے میں قیمتی بصیرت پیش کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: ادب ، زبان و ادب ، بلوچی زبان ، بلوچی افسانہ ، تاریخ ، بلوچی ، رسائل و جرائد ، بلوچستان۔

افسانہ نثری ادب میں ایک اہم صنف ہے۔ یہ ایک ایسی نثری صنف ہے جس میں خیال، احساس، جذبے، موضوع اور تجربے کا اظہار بڑی عمدگی اور خوب صورتی کے علاوہ فنکاری سے کیا جاتا ہے۔

دنیا کی ہر ادب میں کم و بیش افسانہ کی روایت موجود ہے۔ بہت سے زبان و ادب میں افسانہ توانا شکل میں موجود ہے اور کئی زبانوں میں خاص کر علاقائی زبانوں میں یہ صنف ادب ابھی تک طفل ہے۔ دنیاادب میں افسانے کی ابتداء انگریزی ادب سے ہوا پھر آہستہ آہستہ باقی زبانوں میں بھی اس کی روایت پڑ

[i] اسسٹنٹ پروفیسر ، یونی ورسٹی آف تربت۔

گئی۔ افسانے کی جنم بھومی کے حوالے سے انور سدید کہتے ہیں کہ مشینوں کی ایجاد نے صنعتی ترقی میں تیزی لائی، مشین کے ساتھ انسان بھی مشین کی طرح ہوگیا ہر وقت مصروف کار ہوا مصروف انسان نے مصروفیت کی وجہ سے افسانہ ایجاد کیا یوں کہی ہوئی کہانی کی جگہ لکھی ہوئی کہانی نے لے لی۔[۱]

اے۔آر۔ داد بھی کچھ اسی طرح کی خیال رکھتے ہیں:

> ترجمہ: ''افسانہ کا جنم نئے دور کے شکم سے ہوا ہے، اس کی ماں اور پال پوس کر پرورش دینے والا اس صدی کے وہ مسائل ہیں جو انسان کو ایک لمحے کے لیے بھی آرام اور آسودگی کے ساتھ رہنے نہیں دیتے ہیں۔ نئے دور کے اٹھنے والے مسائل اور صورت حال نے ہمیں اتنا بھی موقع نہیں دیا ایک لمحے کے لیے آرام کریں انہی مسائل اور انہی حالات نے ہماری آسودگی چھین لی۔ اور ہمیں بے آسودگی سے دوچار کیا اگر کبھی کوئی موقع میسر آتا تو وہ موٹے موٹے ناولوں کی ورق گردانی کی نظر ہو جاتا۔ کب تک ایسا چلتا آخر ہم (انسان) نے تھک کر اپنے لیے افسانہ کا بنیاد رکھ دیا جو کہ ایک ہی نشت میں پڑھی جاتی ہے اس کو پڑھنے کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ میری اپنی تصویر مجھے دکھاتا ہے۔ کبھی اپنی کارکردگی سے خوش ہوتا ہوں اور کبھی شکوہ کر جاتا ہوں، کبھی یہ ہمیں تصور کی دنیا میں لے جاتا ہے۔''[۲]

افسانے کی اوّلین لکھاری امریکی مصنف ایڈ گریلن پو کو کہا جاتا ہے پُو نے رومانی افسانے زیادہ تر قلم بند کیے پو نے خود افسانے کی سب سے بہتریں اور جامع انداز میں تعریف کی ہے، ایڈ گریلن پُو کے نزدیک افسانہ اُس کہانی کو کہتے ہیں جو ایک ہی نشت میں پڑھی جاسکے اِس کی دورانیہ ۱۵ منٹ سے لے کر ۳۰ منٹ تک ہو۔ مسٹر پُو کے علاوہ بہت سے مفکرین نے افسانے کی تعریف کی ہے لیکن ایڈ گریلن پو کی کردہ تعریف سے بہتر کوئی نہیں۔ ایڈ گریلن پو نے اس کی اختصار پر زور دیا ہے۔ چونکہ وحدت تاثر اس کی لازمی شرط کہا جاتا ہے اس لیے اس کی اختصار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

ایڈ گریلن پُو کے بعد اسٹون سن نے اس صنف کو ترقی دینے میں اہم کردار ادا کیا بعد میں روسی افسانہ نگار چیخوف نے اِس صنف ادب کو ترقی و ترویج اور موضوعاتی وسعت دی۔ چیخوف نے زندگی کے حقیقت اور تلخیوں کو اپنے افسانوں میں جگہ دی۔ چیخوف سے پہلے یہی کہا جاتا تھا کہ افسانہ جھوٹی اور خود ساختہ کہانی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن چیخوف نے اِس صنف کو روزروزینی زندگی سے قریب تر کر دیا اور اس میں وسعت لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے علاوہ اس صنف ادب میں بہت سے

لکھاریوں نے نام کمایا؛ جن میں سے ٹالسٹائی، میکسم گورکی، سمرسٹ ماہیم، جیک لندن، سارتر، کافکا، ارنسٹ ہمنگوے، خلیل جبران، منشی پریم چند، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی، رشید امجد، منیر بادینی، نعمت اللہ گچکی وغیرہ شامل ہیں۔

بلوچی افسانے کا سفر قدرے دیر سے اردو ادب کے توسط سے شروع ہوا بلوچی میں ۱۹۵۱افسانے کا سفر ماہنامہ ''اومان'' کراچی کی اشاعت سے ہوا۔ ماہنامہ ''اومان۔'' دس سال تک اشاعت ہوتا رہا، ان دس سالوں کے بعد ایک سازش کا شکار ہو کر بند ہو گیا۔ مذکورہ ماہنامہ کے مدیر خیر محمد ندوی اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

> ''ایرانی بلوچستان میں شاہ کے دور میں ایک نامور بلوچ ہوا کرتا تھا جس کا نام داد شاہ تھا ایک مدت تک شاہ ایران کے ساتھ ان کی نہیں بنتی تھی آخر کار بھائیوں نے اُسے گرفتار کروایا اور اس کا ایک بھائی احمد شاہ بھی گرفتار ہوا۔ داد شاہ کو قتل کیا گیا، اسی حوالے سے کراچی کے بلوچوں نے بہت شور شرابہ کرکے ایران کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کیا میں نے اسی احتجاج اور واقعہ کے متعلق ''اومان ''میں ایک رپورٹ شائع کی ایک بلوچ کی حیثیت سے شاہِ ایران کو میں نے برا بھلا کہا، پتہ نہیں کس طرح ایران کے سرکار کو معلوم ہوا کہ کراچی سے ایک بلوچی رسالہ شائع ہو رہا ہے اور ان کے خلاف مواد چھاپتا ہے۔ پاکستان میں اُس وقت ایوب (خان) کا دور تھا ۱۹۶۲ء میں حکومت پاکستان نے ایک حکم نامہ جاری کیا کہ ملک کے اندر تمام رسالے از سر نو اجازت نامہ لیں۔ میں نے بھی ''اومان'' کے لیے فارم بھر کر جمع کر دیا، ایک دن کمشنر کراچی نے مجھے بلوا کر کہا کہ ''آپ کے خلاف شکایت ہوئی ہے، اس لیے سرکار نے آپ کے رسالے کی ڈیکلریشن منسوخ کرنے کا حکم دیا ہے۔'' اس طرح سرکار نے سازش کے ذریعے ہمارے ماہنامہ کو بند کیا۔'' [۳]

ان دس سالوں میں بلوچی زبان و ادب کو ترقی دینے میں ''اومان'' نے اہم کردار نبھایا، کئی نثری اصناف سامنے لایا (بلکہ ''اومان'' سے پہلے جدید نثری ادب بلوچی میں ناپید تھا) خاص کر افسانہ کو متعارف کروایا اور اس صنف کو ترقی دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا۔ اگست ۱۹۵۷ء میں اومان نے افسانہ نمبر شائع کر کے بلوچی میں افسانہ نمبر شائع کرنے کا بنیاد بھی رکھ دیا:

> ''اومان'' نے اپنی دس سالہ زندگی میں بہت سے افسانے شائع کیے اس کے علاوہ اس کے منتظمین کی خواہش تھی کہ بلوچی نثر اور افسانہ مختصر وقت میں ترقی کرکے تکنیکی اور فنی

اعتبار سے معیاری ہو جائے۔ ہر شمارے میں ایک افسانہ ضرور شامل کیا جاتا تھا۔ طبع زاد افسانوں کے علاوہ دوسری زبانوں کے نامور افسانہ نگاروں کے افسانے بلوچی میں ترجمہ کر کے چھاپے تاکہ بلوچی کا افسانہ نگار دنیا کے بڑے بڑے ادباء کے ہنر اور افسانوی تکنیک سے آشنا ہو جائیں۔" [۴]

ابتدائی زمانے کے افسانوں کے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ :۔

"اس دور کے افسانوں کے موضوع زیادہ تر خاندانی نابرابری، سردار، میر، معتبر، سرمایہ داراور بالادست طبقہ کی ظلم و جبر، بھوک قحط زدہ عوام کے جذبات کا اظہار اور بے بس عورتوں کی بے بسی تھے۔" [۵]

ابتدامیں خاص طور پر "اومان" کے زمانے میں یہی موضوعات جو اوپر درج ہیں عام تھے موضوعاتی حوالے سے بلوچی افسانے میں رنگارنگی یا وسعت نہیں تھی۔ نہ صرف موضوعاتی حوالے سے بلکہ فنی حوالے سے یہ کمزور تھے، پلاٹ کلائمکس اور منظر نگاری کے اعتبار میں بھی کمزور تھے کردار نگاری پر کوئی زور نہیں دیتا تھا۔ واقعہ کو افسانہ بنانے میں ناکام و نامراد دکھائی دیتے ہیں افسانے کے نام پر اُنھوں نے خبر یا اخباری رپورٹ لکھا درج بالا موضوعات سے وہ آگے نہ جاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بلوچی افسانہ لوک کہانی کی اثر سے نہیں بلکہ اردو افسانے کے زیر اثر لکھا گیا۔ جس وقت بلوچی میں افسانے کا وارد ہوا اس وقت اردو ادب میں ترقی پسند تحریک عروج پر تھی جن موضوعات کا ذکر ہوا تھا وہ سب ترقی پسند تحریک کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ ترقی پسند تحریک ۱۹۳۶ء میں شروع ہوتی ہے تو اس تحریک کے زیر اثر لکھا گیا ادب میں معاشرے کے مظلوم طبقہ کے مسائل کو اجاگر کیا گیا اس تحریک کا مقصد تھا کہ ادب کو معاشرے کے نچلے طبقہ تک لانا اور ان کے مسائل کو موضوع بنانا تھا۔ جس وقت بلوچی زبان و ادب میں افسانہ کا لکھا جانے لگا اُس وقت اردو ادب میں یہ تحریک عروج پر تھی، یہ فطری بات ہے جب کوئی صنفِ ادب دوسری زبان کے زیر اثر میں لکھا جاتا ہے تو اس زبان کے اثرات اُس پر پڑتے ہیں۔ افسانہ جب بلوچی میں اردو کے راہ سے سفر کرتا ہوا بلوچی میں وارد ہوتا ہے تو لازمی کچھ اثرات قبول کرتا ہے۔ انہی اثرات کے حوالے سے عبداللہ جان جمالدینی لکھتے ہیں :

ترجمہ : "بلوچی افسانہ جدید ادب کے آغاز سے ہوا ہے اس کا نشو نما لوک کہانیوں سے نہیں ہوا ہے بلکہ غیر زبانوں کے ادب کے اثر سے ہوا ہے شروع شروع میں بلوچی میں اردو

اور انگریزی افسانوں کی ترجمے کا روایت پڑ گیا، لکھاریوں کو جو افسانہ اردو یا انگریزی میں پسند آتا تھا وہ انہیں بلوچی میں ترجمہ کرتے تھے اور ''اومان''، ''نوائے وطن'' اور ''بلوچی'' میں شائع کراتے تھے۔ آہستہ آہستہ بلوچی میں طبع زاد افسانہ لکھا گیا۔'' [۶]

عبداللہ جان جمالدینی کا شمار ابتدائی زمانے کے قلمکاروں سے ہوتا ہے وہ بذات خود تمام ادبی سرگرمیوں کا چشمِ دید گواہ ہیں۔ لیکن یہاں اُن سے اختلاف کی گنجائش ہے، یہ بات سچ ہے کہ بلوچی افسانہ دوسرے زبانوں کے اثر سے لکھا گیا ہے لیکن اس میں صداقت نہیں کہ بلوچی میں پہلے افسانوی ترجمہ کیا گیا بعد میں طبع زاد پر کام ہوا:

'' اومان '' کے ریکارڈ کے مطابق غیر زبانوں کا پہلا افسانہ جو بلوچی میں ترجمہ ہوا ہے وہ ''پشیمان عورت'' ہے جو کہ میکسم گورکی کی لکھی ہوئی کہانی ہے اور عبدالصمد امیری نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کہانی ماہنامہ اومان، مارچ ۱۹۵۲ کے شمارے میں شامل ہے۔'' [۷]

درج بالا حوالے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بلوچی ادب میں پہلا ترجمہ مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اس طرح بلوچی کا پہلا طبع زاد محمد حسن بلوچ کلاکوٹی کی کہانی ''بیوفا'' ہے جو ماہنامہ ''اومان'' مئی ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا مذکورہ شمارہ دراصل یوسف عزیز مگسی نمبر ہے یہ شمارہ اسی کی یاد میں شائع کیا گیا تھا، یوسف مگسی ۳۱ مئی ۱۹۳۵ کے زلزلہ میں شہید ہوئے تھے۔ ''بے وفا'' تکنیکی اعتبار سے ایک بہت کمزور افسانہ ہے چوں کہ یہ اولین کاوش ہے اولین کاوش سے شہکار کی امید رکھنا حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ''بیوفا'' پر یہاں طائرانہ نظر ڈالنا بیجانہ ہوگا۔ یہ افسانہ مونولاگ تکنیک میں لکھا گیا ہے اور ایک لڑکی کی بے وفائی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے کہانی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

ترجمہ: ''تمہارے راستے کو تکتے تکتے آنکھوں میں سیاہی چا گیا۔ میں بیٹھ گیا، بیٹھنے میں تھک گیا تو کھڑا ہو اچہل قدمی کرنے لگا لیکن آنکھیں پھر بھی تیری منتظر تھیں، تمہیں نہیں آنا تھا نہیں آئے۔ یہ سچ ہے کہ انتظار کے دن گزارنے سے نہیں گزرتے، یہی حال میرا تھا میں نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کیا، کل مجھ پر کوئی بات نہ ہو۔ میں نے اپنا وعدہ وفا کی اب مجھے یہ حق ہے کہ تمہارے منہ پر بولوں، دغاباز۔۔۔۔۔بے وفا۔'' [۸]

اس افسانے کا ہیروئن اپنی محبت کے بجائے کسی اور لڑکے سے شادی کرتی ہے وہ شادی اپنی مرضی سے نہیں کرتی بلکہ گھر والوں سے مجبور ہو کر کرتی ہے، ''بیوفا'' کسی حد تک اس طرف اشارہ ہے کہ بلوچ

سوسائٹی میں عورت آزاد نہیں، وہ اپنی فیصلے خود نہیں کرتی حتیٰ کہ وہ زندگی کے ہمسفر کو چننے میں بھی بااختیار نہیں۔ خاندان کے سامنے وہ سر نہیں اٹھا سکتی۔ وہ مجبور اور بے بس ہے۔

افسانہ ان الفاظ کے ساتھ اختتام ہوتا ہے:

ترجمہ: ''تم خود اپنی مالکہ نہیں ہو، مجبور ہو لاچار و بے بس ہو۔ تمہیں محبت کرنے کا کیا حق ہے دوسروں کی زندگی سے کھیلنے کا کیا حق ہے۔۔ جواب دو، کچھ تو بولو۔ افسوس کہ تم چلی گئی، چلی نہ جاتی تو تیرے روبرو اور کان کے ساتھ منہ لگا کر کہتا دغا باز۔۔۔ بے وفا۔''[۹]

یہی افسانہ دوبارہ ستمبر ۱۹۵۱ء میں ماہنامہ اومان میں شائع ہوا۔

اسی طرح عبدالغفور کا ''شرابی'' اومان، اگست ۱۹۵۱ء، انور شاہ قحطانی کا ''افسانہ'' اومان نومبر/دسمبر ۱۹۵۱ء اور نثار احمد کا افسانہ ''اومان'' ماہنامہ اومان جنوری ۱۹۵۲ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلوچی طبع زاد افسانہ ترجمہ سے پہلے لکھا گیا۔ البتہ اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ بلوچی افسانے کی فروغ و ترقی میں ترجمہ کا اہم کردار رہا ہے ابتدائی چند سالوں میں تخلیق سے زیادہ تراجم پر توجہ دی گئی۔ وہ افسانے جو بین الاقوامی سطح پر مشہور تھے اُن کو بلوچی میں ترجمہ کیا گیا۔

ماہنامہ اومان کے بعد عبدالواحد جمالدینی کی ادارت میں ۱۹۵۶ء میں کراچی میں ماہنامہ ''بلوچی'' کی اشاعت ہوئی۔ ''بلوچی'' کی اشاعت سے بلوچی افسانہ نویسی کی رحجان مین اضافہ ہوا افسانہ نویسوں کی فہرست میں کچھ نئے ناموں کا اضافہ ہوا جن میں سے نعمت اللہ گچکی، مراد ساحر، قرۃ العین طاہرہ روحی، محمد صدیق، رونق بلوچ، غنی طارق، شیر محمد مری وغیرہ شامل ہیں۔

ماہنامہ ''بلوچی'' نے اس صنف کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا تاہم چند نئے ناموں کے علاوہ کوئی اور کامیابی اس کو نہ مل سکی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فنی اور موضوعاتی اعتبار سے ماہنامہ اومان اور ماہنامہ بلوچی کے افسانے ایک جیسے تھے۔ غلام فاروق بلوچ اُس دور کے موضوعات کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس دور کے بیشتر افسانوں میں بلوچ رسم و رواج اور اقدار کی ثابت قدمی کو ظاہر کیا گیا ہے جیسے بلوچ ننگ و غیرت، بہادری اور ڈٹ جانا، انتقام گیری، مہمان نوازی وغیرہ اس کے علاوہ بھوک اور قحط زدگی کے حوالے سے بہت زیادہ لکھا گیا۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس دور میں معاشی حالات کس قدر ابتر تھے۔[۱۰]

شاہ محمد مری اپنی اردو کتاب ''مختصر تاریخ زبان و ادب بلوچی''میں رقم طراز ہیں:

"آزاد جمالدینی نے اپنے رسالہ ۱۹۵۶ میں کراچی سے شائع کرنا شروع کر دیا تھا بلاشبہ یہ مجلّہ جدید بلوچی ادب کے آغاز کی نوید بنا دراصل اسی زمانے میں جدید بلوچی ادب کی ابتداء ہوئی اس رسالے میں بلوچی کے بہترین انشائیے، افسانے، ڈرامے اور مضامین شائع ہوئے یہی اسی رسالے کے احیاکے زمانے میں بلوچی افسانہ نے جنم لیا ایسا جدید افسانہ جس میں سماجی جبر، نابرابری، سمگلنگ، منشیات، بیروزگاری، جہالت، علاج معالجہ کے فقدان رشوت ستانی، ڈاکے اور اغواء جیسے موضوعات کو سمویا گیا۔" [۱۱]

ماہنامہ "بلوچی" کے بعد ۱۹۶۱ء ماہنامہ "اولس" کوئٹہ میں سرکاری سطح پر شائع ہوا۔ اس ماہنامہ کے شائع ہونے سے بلوچی افسانے کا معیار قدرے بہتر ہوا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ رسالے میں چند پڑھے لکھے نوجوانوں نے لکھنا شروع کیا۔ "اولس" کے زیادہ تر ایڈیٹر خود افسانہ نگار تھے۔ وہ نہ صرف افسانے کی فن سے واقف تھے بلکہ افسانے کی صنفی تقاصے اور نازکی سے بھی آشنا تھے انہوں نے شعوری طور پر اس صنف کو فروغ دینے میں جدوجہد کی۔ "اولس" نے بڑے بڑے نام پیدا کیے مثال کے طور پر غنی پرواز، نعمت اللہ گچکی اور صورت خان مری وغیرہ وغیرہ۔

غنی پرواز، کردار نگاری کے حوالے سے ایک اہم افسانہ نگار ہیں موضوعاتی اور تکنیکی حوالے سے بھی اُن کے ہاں وسعت پایا جاتا ہے، مقصدیت اور اصلاحی پہلو اُن کے افسانوں میں نمایاں ہے۔ افسانہ سے موصوف کو عشق ہے، ان کے عشق کا اندازہ اس حوالے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

"اگر میں دوبارہ جنم لوں تو شروع سے ایک خوبصورت اور با مقصد افسانہ بننا چاہتا ہوں۔" [۱۲]

درج بالا حوالہ سے نہ صرف افسانہ سے اُن کا محبت ظاہر ہوتا ہے بلکہ ادبی نظریہ بھی واضح ہوتا ہے۔ سیاہل، جہاد، سائکل، نسخہ، نوکیں زند (نئی زندگی) اُن کے قابلِ ذکر افسانے ہیں۔

نعمت اللہ گچکی نے بلوچی اافسانوی ادب کو چند خوبصورت افسانے دیئے جن میں سے، استالے سِست، (ایک تارا ٹوٹ گیا) اے زند انت (یہی زندگی ہے)، کورءِ پتّار (پانی کی منجھدار) اور مکسکءِ مرک (مکھی کی موت) شامل ہیں، نعمت گچکی کے افسانوں میں کہانی پن ہے اور یہ بہت متنوع کیفیت کے ہیں، اُن کے بیان میں وسعت ہے۔ نعمت گچکی کا فن پلاٹ اور دوسرے لوازمات کی بُنت کاری تک محدود نہیں بلکہ اُن کو نفس انسانی کے پیچ در پیچ تجربوں کو کہانی کی شکل دینا بھی آتا ہے۔ اسی طرح صورت خان مری کا

"بندی خانہ ءِ باہوٹ" اور "پروش ءِ سوب" کا شمار بھی بلوچی کے بہتریں افسانوں میں ہوتا ہے۔ صورت خان اولس کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ چند افسانے لکھنے کے بعد نقادوں نے ان سے کافی توقعات وابستہ کیے لیکن مری کا قلم خاموش ہو گیا وہ ادب سے دور گوشہ نشین ہو گئے۔

"اولس" کے زمانے کے افسانے مقصد اور سیاق و سباق کے حوالے سے "اومان" اور "بلوچی" میں چھپنے والے افسانوں سے مختلف نہیں تھے لیکن تکنیکی اور فنی اعتبار سے کہیں بہتر افسانے ہیں۔

اس بات میں دو رائے نہیں کہ ماہناموں اور دوسرے ادبی رسائل نے بلوچی افسانہ کو ترقی سے ہم کنار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے، ماہنامہ اومان، بلوچی، اولس، لبزانک، نوکیں دور، سوگات، آساپ، زندمان، مجلّہ بانگواہ، مجلّہ کاروان، مجلّہ گدار، مجلّہ آدینک کے علاوہ سہ ماہی استین، سہ ماہی چمگ، درد، اور "روچ" نے افسانوی ادب کو ترقی دینے میں اپنا کردار ڈالا خاص کر سہ ماہی درد، گوادر اور سہ ماہی چمگ، ناصر آباد نے اس صنف پر کافی توجہ دی سہ ماہی درد نے نہ صرف افسانہ نمبر شائع کیا بلکہ افسانہ نگاروں کے لیے گوشہ رکھا، بلوچی میں اس سے پہلے اس کی روایت نہیں ملتی۔ ان دو رسالوں نے نثر کو شاعری پر فوقیت دی۔ ان کے ہر شمارے میں ۶/۷ افسانے شامل ہوتے تھے وقتاً فوقتاً افسانے میں نئے رجحانات کے ساتھ ساتھ اس کے تکنیک پر بھی بحث و مباحث کا در وا رکھتے تھے۔ ان رسائل میں پُرانے ناموں کے ساتھ نئے نام بھی سامنے آئے، جیسے صباد شتیاری، علی دوست، واحد بزدار، ڈاکٹر ناگمان، حنیف شریف، اے۔ آر داد، شرف شاد، یونس حسین، مقبول انور، یاسین مجروح، سعید صدف، نذیر ناصر، عباس زیمی، محسن بالاچ، آصف شفیق، مقبول ناصر، علی گوہر، غوث بہار، الطاف بلوچ، ڈاکٹر سمی پرواز، رخشندہ تاج، زاہدہ راجی، عندلیپ گچکی وغیرہ شامل ہیں۔ اِن نئے لکھاریوں کے وارد ہونے سے بلوچی افسانے میں بڑی حد تک وسعت آیا، بلوچی افسانہ نئے نئے موضوعات اور تکنیک سے آشنا ہوا۔

اِن ساٹھ پینسٹھ سالوں میں افسانوی مجموعے میں سے غنی پرواز کے "سائکل"، "مہر پہ بہا گپت نہ بیت"، "بندیں چمّ کہ پچ بنت"، "مر تگیں مردءِ پچیں چمّ" کے علاوہ چار اور افسانوی مجموعے شائع ہوئے ہیں ابھی تک کسی بھی افسانہ نگار کی سب سے زیادہ مجموعے ہیں۔ غنی پرواز کے علاوہ پروفیسر صباد شتیاری کے تین، منیر احمد بادینی کے دو، حکیم بلوچ کے دو، ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی کے دو، اے آر داد کے دو، غوث بہار کے دو، حنیف شریف کے دو غلام نگوری کے دو، منیر عیسٰی کے دو مقبول انور کے دو اور مراد ساحر، ناگمان، تاج محمد

طاہر، یاسین مجروح، عصابجار، احمد عمر، علی دوست اور رخشندہ تاج کے ایک ایک افسانوی مجموعہ چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ بلوچی میں تا حال پچاس سے بھی کم افسانوی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ یہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اُس طرح کی توجہ نہیں دی گئی ہے جس کی ضرورت ہے۔ ماہنامہ بلوچی کوئٹہ نے چند سال پہلے ایک افسانہ نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا تھا، لیکن ایک بڑی مدت تک وہ یہ نمبر شائع نہ کر سکے، آخر کار یہ نمبر شائع ہوا تو اس کے اداریہ سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس صنف کی طرف کس طرح کی توجہ دی جارہی ہے۔ اداریہ میں لکھا ہے:

> ترجمہ: ''بڑی مدت کے بعد یہ ہمارا دوسرا افسانہ نمبر ہے جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس افسانہ نمبر کے لیے ایک سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے کہ ہم نے افسانہ نگاروں سے گزارش کی تھی کہ وہ اپنے افسانہ اور افسانہ سے متعلق مضامین لکھ کر بھیج دیں اور اس نمبر کو چھاپنے میں ہمیں سرخ رو کریں تاکہ ہمارے قارئین کو ایک بڑی مدت کے بعد ایک خوبصورت تحفہ ہمارے قلمکاروں کی طرف سے ملے لیکن جو ہماری خواہش تھی ہم اُس میں کامیاب نہیں ہوئے۔'' [۱۳]

عبداللہ جان جمالدینی بلوچی افسانے کی ترقی اور ترویج کے کاموں سے مطمئن نہیں وہ ''بلوچی'' کے افسانہ نمبر میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ترجمہ: ''بلوچی افسانے کی جس طرح ابتداء میں ترقی کی رفتار تھی بعد میں یہ رفتار سست پڑ گیا جو کچھ حال ہی میں ''بلوچی'' میں چھپ چکے ہیں وہ تعریف کے لائق نہیں ہیں۔'' [۱۴]

اگر افسانہ پر مضامین کی بات کی جائے تو رسائل اور جرائد میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں۔ ان مضامین نگار میں، غنی پرواز، عبداللہ جان جمالدینی، نسیم دشتی، غلام فاروق بلوچ، صورت خان مری، بیزن بلوچ، اللہ بخش کرار، ساجد حسین، غفور شاد، دانش داغ، ناگمان اور اے۔ آر داد شامل ہیں لیکن عبداللہ جان جمالدینی، غنی پرواز، ناگمان اور اے۔ آر داد کے سوا باقی ایک مضمون سے آگے نہ بڑھ سکے ہیں۔ افسانہ پر کتاب بس دو منظر عام پر آئے، ناگمان کی ''نگدانک'' اور اے۔ آر داد کی ''گپ روان کنت'' ان دو کتابوں کے سوا کوئی اور کتاب کسی نے نہیں لکھی ہے، البتہ راقم کی ایک مرتب کردہ کتاب ''آزمانک ءِ راج دپترءُ بلوچی آزمانک'' (افسانہ کی تاریخ اور بلوچی افسانہ) بھی چھپ چکی ہے۔ تحقیقی کتاب کوئی مارکیٹ میں دستیاب نہیں البتہ اکبر غمشاد کا ایک مضمون ہے جو بڑی حد تک تحقیق سے نزدیک ہے۔ یہ مضمون بعنوانِ ''بلوچی ءِ

کلیں آزمانک نویس ءِ آہانی اوّلی آزمانک" (بلوچی کے تمام افسانہ نویس اور اُن کے اوّلیں افسانے) یہ نیم تحقیقی مضمون ماہنامہ "لبزانک" حب، ستمبر ۱۹۹۵ کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں ۱۹۵۱ء سے لے کر ۱۹۹۴ء تک کے ۴۰۳ افسانہ نویس اور ان کے اوّلیں کاوش، رسالہ اور سالِ اشاعت کے ساتھ درج ہیں۔ اکبر غمشاد نے یہ تمام مواد صباد شتیاری کی انڈیکس کی کتاب "بلوچی زبان و لبزانک" سے نقل کیے ہیں۔ ان ۴۰۳ افسانہ نگاروں میں زیادہ تر نے اب لکھنا چھوڑ دیا ہے کچھ تو ایک دو افسانے سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں، یہی دراصل بلوچی افسانے کی پستی کی سب سے بڑی وجہ ہے کہ تواتر کے ساتھ بلوچی کو لکھنے والا نصیب نہیں ہوا ہے یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بلوچی میں ایسے لکھاریوں کی تعداد بہت کم ہے کہ جو صرف افسانے کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں غنی پرواز، منیر بادینی، نعمت اللہ گچکی، حنیف شریف، یونس حسین، ناگمان، حفیظ حسن آبادی صرف افسانے کے حوالے سے پہچان رکھتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور پر نظر نہیں رکتی۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، مختصر اردو افسانہ: عہد بہ عہد (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۲ء)، ۱۱۰۔
۲۔ اے آر داد، "بلوچی آزمانک ءُ بلوچ نبشتہ کار"، مشمولہ: ماہنامہ لبزانک، جنوری ۱۹۹۳ء، ۶۷۔
۳۔ خیر محمد ندوی، نیاد بہارگاہ، مرتبہ: اے آر داد (کیچ: استین، شنگ کار، ۲۰۱۳ء)، ۲۰۔
۴۔ محمد خان، طاہر، "آزمانک، بلوچی آزمانک"، مشمولہ: ماہتاک اولس، کوئٹہ، ستمبر ۱۹۷۳ء، ۳۵۔
۵۔ عبداللہ جان جمالدینی، "بلوچی آزمانک ءِ دیمروی"، مشمولہ: ماہنامہ بلوچی، کوئٹہ، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ۹۔
۶۔ ڈاکٹر عبدالصبور، کسہی لبزانک (کوئٹہ: بلوچی اکیڈمی، ۲۰۱۰ء)، ۶۲۔
۷۔ کلاکوٹی، محمد حسن بلوچ، "بے وفا"، مشمولہ: ماہنامہ اومان، کراچی، مئی ۱۹۵۱ء، ۲۰۔
۸۔ ایضاً، ۲۲۔
۱۰۔ غلام فاروق بلوچ، بلوچی آزمانک، تاریخ، رہبند، رنگ ءُ دروشم، ۱۷۔
۱۱۔ شاہ محمد مری، مختصرتاریخ زبان وادب بلوچی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۹ء)، ۳۳۵۔
۱۲۔ غنی پرواز، "من ءِ آزمانک"، مشمولہ: سہ ماہی درد، گوادر، مارچ تا مئی ۲۰۰۲ء، ۴۰۰۔
۱۳۔ پیش گال (دیباچہ)، مشمولہ: ماہنامہ بلوچی، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ۵۔
۱۴۔ عبداللہ جان جمالدینی، بلوچی آزمانک ءِ دیمروی، ۱۲۔